29

# سالانہ جلسہ کے لئے خدمات پیش کرنے کی تحریک

(فرمودہ ۱۸ر نومبر ۱۹۲۱ء)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔
میرا منشاء ہے کہ آج بھی اس سلسلہ مضامین کی ایک اور شاخ کے متعلق میں آپ لوگوں کو کچھ سناؤں جس کے متعلق میں کئی ہفتوں سے بیان کر رہا ہوں۔ مگر اس دفعہ بھی میں ایک شاخ کو ہی لینا پسند کرتا ہوں۔ اور اصل مضمون کو اور پیچھے ڈالتا ہوں۔ تاکہ وقفے وقفے سے بات کانوں میں پڑے اور اس پر آپ لوگوں کو زیادہ غور کرنے کا موقع مل سکے۔

لیکن پیشتر اس کے کہ میں اس شاخ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں ایک اور بات جو اس وقت کی ضروریات کے متعلق ہے۔ بیان کرنا چاہتا ہوں۔

سالانہ جلسہ پھر قریب آرہا ہے۔ اور جیسا کہ حضرت صاحب کے زمانہ سے چلا آرہا ہے۔ یہاں کے لوگوں کا مہمان نوازی کرنا ضروری فرض ہے۔ اور اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ مہمان نوازی چونکہ فرائض اسلام میں سے ایک فرض ہے۔ اس لئے اس کے متعلق میں کچھ زیادہ بیان کرنا نہیں چاہتا۔ اور جو کچھ بیان کرنا ہے۔ اسے بھی میں اس وقت کے لئے چھوڑتا ہوں جو جلسہ کے زیادہ قریب ہوگا۔ اس وقت میں ایک اور بات بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے۔

میں نے پچھلے سال بیان کیا تھا کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا اور معمولی سے معمول کام بھی بغیر مشق کے نہیں آسکتا۔ ایک مزدور جو ایک جگہ سے ٹوکری اٹھا کر دوسری جگہ ڈال دیتا ہے۔ اسے دیکھنے والا سمجھتا ہے یہ بہت معمولی کام ہے اور میں اسے بآسانی کر سکتا ہوں۔ تم میں سے بیسیوں نے مزدور کو ٹوکری اٹھاتے دیکھا ہوگا۔ اور وہ کہتے ہونگے کہ اس کے لئے کسی مشق کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ذرا ڈھو کر دکھاؤ تو حقیقت معلوم ہو۔ تین چار ہی بار جب ٹوکری اٹھانے کے لئے جھکو گے اور اٹھا کر دوسری جگہ ڈالو گے تو پتہ لگ جائے گا کہ یہ کام بھی ایسا نہیں ہے کہ یونہی آجائے۔ بلکہ

ٹوکری اٹھانے والے مزدور کی کمر کئی مشقوں کے بعد ایسی بنی ہے۔ کہ وہ دیر تک ٹوکری کی مشقت برداشت کر سکتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تم اس سے زیادہ طاقتور ہو۔ اسے اٹھا کر زمین پر گرا سکو۔ اس کی گردن ہاتھ سے پکڑ کر اس قدر زور سے دبا سکو کہ اس کی چیخیں نکل جائیں اور چھڑا نہ سکے۔ مگر اس کے مقابلہ میں تم ٹوکری نہیں اٹھا سکو گے۔ ایک پہلوان جو بڑے طاقتور انسان کو گرا سکتا ہے۔ یا کلائی پکڑنے کا ماہر جو مضبوط سے مضبوط آدمی کی کلائی پکڑ کر چھوڑتا نہیں۔ اور اس کی ہڈی ٹوٹنے کے قریب کر دیتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک مزدور جو نہ تو کشتی کر سکتا ہے۔ اور نہ کلائی پکڑنا جانتا ہے۔ جب ٹوکری اٹھائے گا تو پہلوان اور کلائی کا ماہر رہ جائے گا۔ اور ہرگز مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ ٹوکری اٹھانے کی اسے مشق نہیں۔ اور مزدور کو اس کام کی مشق ہوگی۔

پس کوئی معمولی سے معمولی کام بھی بغیر مشق کے نہیں آسکتا۔ میں نے بتایا تھا کہ ہمارے جلسہ کے انتظامی معاملات میں جو نقص رہ جاتے ہیں۔ وہ اس لئے نہیں کہ کام کرنے والوں میں اخلاص اور محبت کی کمی ہے۔ یا وہ اپنے طرف سے پوری کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ اس کی وجہ مشق کی کمی ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسے کام کو کرنے لگتے ہیں جو انہوں نے سال بھر نہیں کیا ہوتا۔ اور بغیر مشق کے کام پر کھڑے کر دئے جاتے ہیں۔

میں تو ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں مجھے ایسی باتوں کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ اور ہمارے ہاں تو شہروں میں بھی ایسی باتیں دیکھی نہیں جا سکتیں۔ مگر میں کتابوں کے پڑھنے کا بہت شائق ہوں۔ اور اتنا کہ کتابوں کا کیڑا کہنا چاہیئے۔ میں ہر فن ہر مذاق اور ہر رنگ کی کتابیں پڑھتا رہتا ہوں میں نے پڑھا ہے۔ کہ بڑے بڑے مشاق ایکٹر (Actor) بھی جب کوئی کھیل کرنے لگتے ہیں تو پہلے اس کی مشق کر لیتے ہیں۔ اور اپنے طور پر وہ کھیل کر کے دیکھ لیتے ہیں کہ کوئی نقص اور کمی تو نہیں رہ گئی۔ حالانکہ اس فن میں وہ بہت ماہر ہوتے ہیں۔ بات یہی ہے کہ ہر کام کرنے سے پہلے اس کی مشق ضروری ہے۔ دیکھو ایک پولیس مین جو اکیلا کھڑا ہوتا ہے۔ ہزاروں گاڑیوں کو ایسے مقام سے بآسانی گذار دیتا ہے جہاں چوراہا یا چھ راہا ہوتا ہے۔ جیسے کہ بمبئی جیسے شہروں میں ایک مقام پر کئی کئی رستے ملتے ہیں۔ اگر وہ ذرا بے احتیاطی سے کام لے۔ تو ایک دن ایسا نہ گزرے جس میں بیسیوں خون نہ ہو جائیں۔ ایک طرف سے بیل گاڑی آتی ہے۔ دوسری طرف سے گھوڑا گاڑی۔ تیسری طرف سے موٹر۔ لیکن اکیلا پولیس مین ایک سیٹی سے سب پر حکومت جمائے رکھتا ہے۔ اس کی نظر چاروں طرف پڑتی ہے۔ اور وہ عمدگی سے سب کو اپنے انتظام کے نیچے رکھتا ہے۔ اور احتیاط کے ساتھ گذارتا ہے۔ اس کی بجائے اگر پچاس بی۔اے بھی کھڑے کر دئے جائیں تو کچھ نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ انہیں اس کام کی مشق نہ ہوگی۔ عقل، فہم، فراست اور علم اس موقع پر کچھ کام نہ دے

گا۔ بلکہ وہی پولیس مین کام کر سکے گا جو مشاق ہو گا۔

اسی طرح ایک زمیندار جو یہ بھی نہیں جانتا۔ اور فی الواقع نہیں جانتا۔ کہ بیج سے سبزہ کس طرح نکلتا ہے۔ وہ ہر سال بیج ڈالتا ہے اور کھیتی کاٹتا ہے۔ اس سے اگر پوچھو کہ کیونکر بیج سے سبزہ نکلتا ہے۔ کس طرح کھیتی بڑھتی ہے۔ ایک چھوٹی سی چیز (بیج) کس طرح ایک بڑے پودے کا باعث بنتی ہے۔ ایک دانے سے سو بلکہ اس سے بھی زیادہ کس طرح بن جاتے ہیں۔ تو اول تو وہ کچھ جواب نہ دے سکے گا۔ اور اگر زیادہ سے زیادہ کچھ کہے گا۔ تو یہ کہے گا کہ اللہ کی باتیں اللہ ہی جانے۔ بے شک یہ اللہ کی باتیں ہیں۔ لیکن ایسی نہیں کہ اللہ ہی جانتا ہے۔ بلکہ ایسی ہیں کہ بندہ بھی جان سکتا ہے کہ سائنس کی معمولی باتیں ہیں۔ مگر جس طرح ایک زمیندار عمدگی سے بیج بوتا اور کھیتی کاٹتا ہے۔ اس طرح زراعتی کالج کے پروفیسر سے بھی نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ اسے علم تو حاصل ہے۔ لیکن مشق نہیں۔ اور مشق کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جا سکتا۔

پس چونکہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی مشق سے ہی آسکتی ہیں۔ اس لئے میں نے کہا تھا۔ کہ جلسہ پر جو کام کرنے ہوتے ہیں۔ ان کی پہلے مشق کرائی جائے۔ مثلاً لوگوں کو ریسیو (Receive) کرنا ان کا اسباب اٹھانا۔ زیادہ تعداد میں آجائیں تو ان کا انتظام کرنا۔ یہ سب باتیں مشق چاہتی ہیں۔ ورنہ خواہ مہمانوں کو (Receive) کرنے کے لئے بی۔اے چلے جائیں۔ کچھ نہیں کر سکیں گے۔ اور انتظام میں نقص ہی رہے گا۔

سٹیشنوں پر دیکھا ہے۔ اسباب کے لئے جب قلی کئے جائیں۔ اور پھر کوئی خود کوئی چیز اٹھانے لگے۔ تو قلی شور مچا دیتے ہیں۔ کہ نہ اٹھاؤ۔ حالانکہ اس میں انہی کا فائدہ ہوتا ہے۔ کہ بوجھ کم ہو جاتا ہے۔ مگر چونکہ دوسرا آدمی بوجھ اٹھانے کا مشاق نہیں ہوتا۔ اس لئے ایسے رنگ سے اٹھاتا ہے۔ جو ٹھیک نہیں ہوتا۔ انہیں آسانی نہیں ہوتی۔ قلی مشاق ہوتے ہیں اور ترکیب سے کئی کئی چیزیں ایک بار اٹھا لیتے ہیں۔

میں نے گذشتہ سال نصیحت کی تھی کہ جلسہ کے کام کے لئے مشق کی جائے۔ جو کام کسی نے کرنا ہے وہ تقسیم کر دیا جائے۔ مثلاً سالن کون تقسیم کرے گا۔ روٹی کون تقسیم کرے گا۔ اسباب کے لئے کون جائے گا۔ مہمانوں کو اتارنے کا کام کون کرے گا۔ اسی طرح سب کاموں کی تقسیم کر دی جائے۔ اور جن کے ذمے یہ کام لگائے جائیں۔ وہ مشق کریں۔ سرکاری درباروں میں جو جو کام کسی کے سپرد ہوتا ہے۔ اس کی کئی بار مشق کرائی جاتی ہے۔ جنہوں نے پہرہ دینا ہوتا ہے۔ یا راستہ کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔ انہیں وہاں کھڑا کر کے مشق کراتے ہیں۔ اور جو غلطیاں ہوں۔ ان کی اصلاح کراتے ہیں۔

اسی رنگ میں یہاں بھی مشق ہونی چاہیئے۔ مگر پچھلے سال جو خطبہ میں نے پڑھا تھا۔ وہ تو ہوا میں ہی اڑ گیا۔ کیونکہ زمین پر مجھے اس کا کوئی نشان نہ ملا۔ اور جس طرح پہلے شکائتیں ہوتی تھیں اسی طرح اس سال بھی ہوئیں۔

اس سال پھر میں نے بتایا ہے کہ اس طرف توجہ کرو۔ افسر نے تو توجہ کی ہے اس نے مجھے یاد دلایا ہے کہ آپ نے گذشتہ سال یہ کہا تھا۔ اس سے معلوم ہوا اس کو تو یاد ہے۔ اب میں آپ لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں۔ جن جن سے ممکن ہو۔ حتیٰ کہ وہ بھی جنہیں اپنا کام ترک کر کے حصہ لینا پڑے۔ سوائے ان کے جو سارا سال کام کرتے ہیں۔ وہ ریزرو کے طور پر اس وقت تک رہیں گے۔ جب تک ان کے کام کرنے کا موقع نہیں آتا۔ وہ اپنا کام کریں۔ باقی اپنے آپ کو پیش کردیں۔ اور جو جو خدمت ان کے لئے مقرر ہو۔ افسروں کے ماتحت اس کی مشق کریں۔ اور اپنے آپ کو کام کرنے کا عادی اور مشاق بنائیں۔

میں نے دیکھا ہے بہت سی شکایات اسی وجہ سے ہوتی ہیں۔ کہ کام کرنے والوں کو اس کام کی مشق نہیں ہوتی۔ مثلاً اسباب کے متعلق ہی شکایت ہوتی ہے۔ کہ سٹیشن پر آدمی موجود نہیں ہوتے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ جن کو وہاں مقرر کیا جاتا ہے۔ انہیں ایک جگہ بہت دیر تک کھڑے رہنے کی عادت نہیں ہوتی۔ وہاں طالب علموں کو بھیجا جاتا ہے۔ ایک طالب علم یہ تو کر سکتا ہے۔ کہ پندرہ گھنٹے ایک کتاب کے پڑھنے میں لگادے۔ لیکن یہ نہیں کر سکتا کہ اتنا عرصہ دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا رہ سکے۔ کبھی اسے پیشاب آجائے گا۔ کبھی پاخانہ۔ کبھی کوئی اور بات پیدا ہو جائے گی۔ اور ایسا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کی طبیعت اور مشق کے خلاف کام ہے۔ لیکن جو کھڑا رہنے کا عادی ہوگا وہ باقاعدہ کھڑا رہ سکے گا۔ یا اور کام ہیں مثلاً کھانا کھلانا۔ دیکھا گیا ہے کہ پرچیاں تقسیم کرنے والے گھبرا جاتے ہیں۔ اور اس طرح ان کے کام نہ کر سکنے کی وجہ سے شکائتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے۔ کہ انہیں مشق نہیں ہوتی۔ اور وہ ایسا کام کرنے کے عادی نہیں ہوتے۔ لیکن اگر مشق کرائی جائے۔ اور زیادہ نہ سہی پچاس ہی آدمی ہوں۔ جو بار بار پرچیاں مانگیں۔ اور ہجوم بن کر ان کے گرد جمع ہو جائیں۔ تو معلوم ہو سکتا ہے کہ کام کرنے والوں میں کیا کیا نقص ہیں۔ اور پھر ان کو دور کیا جا سکتا ہے۔

پس پہلے تو میں یہ نصیحت کرتا ہوں۔ کہ جن جن سے ممکن ہو سکے اور اکثر سے ممکن ہے۔ اور چند مستثنیات کو چھوڑ کر باقی کام کر سکتے ہیں اور انہیں کرنا چاہیئے انہیں جلسہ کے افسر کے بلانے پر اپنی خدمات پیش کرنی چاہئیں۔ اور افسروں کے ماتحت مشق شروع کر دینی چاہیئے۔ تاکہ موقع اور وقت پر مفید ثابت ہو سکیں۔

اب میں اس مضمون کی طرف آتا ہوں۔ جس کا بیان کرنا آج میرا مقصد ہے۔ لیکن اس کے شروع کرنے سے پہلے میں ایک فرع بیان کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے۔

ہم دیکھتے ہیں دنیا میں جتنے کام ہوتے ہیں۔ ان میں کچھ تو اصل حقیقت ہوتی ہے۔ اور کچھ ارد گرد کے اثرات ہوتے ہیں مثلاً انسان کا ارادہ اور نیت اصل ہے۔ مگر اور کئی چیزیں ایسی ہیں جو ارادہ اور نیت پر اثر ڈالتی ہیں۔ یہ چیزیں چونکہ ضمنی ہوتی ہیں۔ اور نظر نہیں آتیں۔ اس لئے ان کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ اور یہ تباہی کا زیادہ باعث ہوتی ہیں۔ مثلاً پاخانہ کو لوگ دیکھتے ہیں اور اس سے کراہت کرتے ہیں اور ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ یہ نہ تو کپڑوں کو لگے اور نہ کھانے کی چیزوں کو۔ یہ تو اس کے براہ راست علم کی وجہ سے ہے۔ لیکن کبھی ضمنی طور پر یہ لگ جاتا ہے اور اس وقت کوئی پروا نہیں کی جاتی۔ مکھیاں اس پر بیٹھتی ہیں اور پھر کھانے پر آبیٹھتی ہیں۔ ان کے جسم کے ساتھ جو گندگی لگی ہوتی ہے وہ چونکہ نظر نہیں آتی اس لئے اس سے کراہت نہیں کی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ براہ راست کوئی گندی چیز کھا کر بیمار ہونے والے کم نظر آئیں گے۔ لیکن مکھیوں کے ذریعہ گندگی کھانے والے ہزاروں اور لاکھوں بیمار ہوتے ہیں۔ مکھیاں کہیں گلے سڑے زخم پر، کہیں پیپ پر، کہیں پاخانے پر، کہیں کسی اور گندی چیز پر بیٹھتی ہیں اور پھر کھانے پر آبیٹھتی ہیں اور اس طرح اس میں گندگی داخل کر دیتی ہیں۔ یہ ضمنی چیز ہے۔ مگر اس کے جو نقصان ہیں۔ وہ ظاہرہ گندگی کے نہیں ہیں۔ تو ضمنی باتوں سے بہ نسبت نظر آنے والی چیزوں کے زیادہ نقصان ہوتے ہیں۔ مکھی آجاتی ہے اور کھانے پر آبیٹھتی ہے۔ مگر اس کی پروا نہیں کی جاتی۔ کیونکہ اس کے ذریعہ جو گند آتا ہے وہ ایسا باریک ہوتا ہے کہ نظر نہیں آتا۔

نیکیوں کے متعلق بھی یہی بات ہوتی ہے۔ کہ ایک حصہ چیز اصل ہوتی ہے اور ایک حصہ ضمنی۔ جن کے ذریعہ ترقی ہوتی جاتی ہے۔ مثلاً کسی نیکی کے لئے نیت اور ارادہ ہوتا ہے۔ لیکن انسان کر نہیں سکتا۔ کیونکہ ارادہ اور نیت کمزور ہوتی ہے۔ مگر بعض اوقات ایسی ضمنی باتیں شامل ہو جاتی ہیں۔ کہ انسان کر لیتا ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ ارادہ تو مضبوط ہوتا ہے۔ مگر ضمنی باتیں ایسی آجاتی ہیں۔ کہ انسان ان کی وجہ سے کر نہیں سکتا۔

اصلی اور ضمنی باتوں کی ایک مثال یہ ہے کہ فوجی لوگ لڑائی میں لڑنے کے لئے جاتے ہیں جن میں سے بعض تو بہت ڈرپوک ہوتے ہیں۔ ان کی اصل نیت تو یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح اپنی جان بچائیں نہ کہ لڑیں۔ مگر دوسروں کی بہادری دیکھ کر وہ بھی لڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور بعض اوقات بڑی بہادری کا کام کر لیتے ہیں۔ یا اس طرح کہ پچھلی فوج بہت بہادر ہوتی ہے۔ وہ آگے بڑھتی ہے۔ اور اس کے آگے جو فوج ہوتی ہے اسے بھی مجبوراً آگے بڑھنا پڑتا ہے لوگ اسے دیکھ کر کہتے ہیں کہ

یہ فوج بڑی بہادر ہے جو آگے آگے جا رہی ہے۔ لیکن دراصل وہ پچھلی فوج کے مجبور کرنے سے آگے بڑھ رہی ہوتی ہے لیکن کبھی اس کے الٹ بھی ہو جاتا ہے۔ کہ بہادر بزدلوں کے حلقہ میں آتے ہیں۔ اور ان کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت غزوہ حنین میں ہوا تھا۔ ایسے لوگ جو تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے۔ اور جن کے حوصلے ایسے نہ تھے۔ جیسے کہ دوسرے لوگوں کے۔ وہ وقت پر بھاگ پڑے۔ اور ان کے بھاگنے پر صحابہ کے قدم اکھڑ گئے۔ ان کے ارادے تو قربان ہونے کے تھے۔ اور اس کے لئے وہ کوشش بھی کرتے تھے۔ چنانچہ ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں بھاگتے اونٹ کو پیچھے موڑنے کے لئے اس کی رسی اس زور سے کھینچتا کہ اس کا سر مجھے آلگتا۔ مگر پھر جب میں چھوڑتا تو آگے کو ہی بھاگ پڑتا۔ تو ان کی خواہش تھی کہ جان دے دیں اور میدان سے نہ ہلیں۔ مگر سامان ایسے ہو گئے کہ بزدلی دکھانی پڑی۔ تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی کام کرنے کی نیت اور ارادہ تو ہوتا ہے مگر اس کے باوجود ایسے مخالف حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ ارادہ کے خلاف انسان کر بیٹھتا ہے۔ اور کبھی ایک کام کے کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا۔ مگر حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں۔ کہ انسان کر لیتا ہے مثلاً کوئی ایسی مجلس میں جائے جہاں ہنسی مذاق کی باتیں ہو رہی ہوں۔ مگر وہاں کوئی دیندار آدمی آگیا۔ اور اس نے دین کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ اب وہ شخص جو ہنسی مذاق کی باتیں سننے کے لئے آیا تھا۔ اٹھنے سے شرم کرتا ہے اور بیٹھا رہتا ہے۔ اور دینی باتوں سے فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ یا ایسا ہو کہ ایک شخص نماز کے لئے جانے لگے۔ رستہ کے درمیان کوئی برات اتری ہو۔ اور تماشہ ہو رہا ہو اسے دیکھنے لگ جائے اور نماز کے لئے نہ جائے اگرچہ وہ نماز پڑھنے کی نیت اور ارادہ کر کے گھر سے نکلا تھا۔ لیکن حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ وہ نیک کام نہ کر سکا تو ضمنی حالات ایسے ہوتے ہیں کہ کبھی تو نیکی کو بدی بنا دیتے ہیں اور کبھی بدی کو نیکی۔ اس بات کو خوب اچھی طرح مدنظر رکھنا چاہئیے۔

اب میں اصل مضمون کی طرف آتا ہوں ہمارا اصل کام تو وہ ہے۔ جس کے لئے ہم نے حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ اور آپ کے ذریعہ خدا تعالیٰ سے وعدہ کیا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں۔ جن کی وجہ سے آنکھوں پر پردہ پڑ جائے۔ اور غفلت کی ہوا ہمیں تھپک تھپک کر سلا دے۔ اور ہم اس وقت اٹھیں۔ جب سورج بہت چڑھ گیا ہو۔ اس لئے ان حالات کو بغور دیکھنا اور ان کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

یہ حالات کئی طرح کے ہیں مثلاً ایک جس کا لوگوں پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ ملازمت کا سوال ہے۔ جب کام کرنے والوں کے نام کاغذات میں بطور ملازم لکھے جاتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ انجمن کا ملازم ہے۔ اور یہ نظارت کا ملازم ہے۔ یہ فلاں صیغہ کا نوکر ہے۔ اور یہ فلاں دفتر کا نوکر۔ تو

یہ "ملازم" اور "نوکر" کا لفظ بولتے ہی وہ تمام باتیں ذہن میں آجاتی ہیں۔ جو دنیاوی کاروبار کرنے والے نوکروں سے تعلق رکھتی ہیں۔ یا دنیا کے نوکروں اور ملازموں کے جو حالات ہوتے ہیں ان کو سامنے لاکر یہ لوگ بھی خیال کرتے ہیں کہ ہمیں بھی ایسے ہی حالات میں ہونا چاہیئے۔ اور اس وجہ سے وہ اپنا اصل کام جو خدمت دین ہے بھول جاتے ہیں۔ ان کی ایسی ہی حالت ہوتی ہے جیسے بچے کھیلتے ہوئے ایک کھیل کا نام "ہوا" رکھتے ہیں۔ مگر جب انہی میں کوئی لڑکا ہوا بن کر ہوہو کرتا ہے تو بعض لڑکے واقعہ میں ڈر جاتے اور رونے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ بے ہوش جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ انہوں نے جس کا نام ہوا رکھا ہے۔ وہ اصل بھول جاتا ہے۔ اور نام غالب آجاتا ہے۔ حالانکہ اول تو وہ اسے شروع ہی کھیل کے طور پر کرتے ہیں۔ اور پھر دیکھتے ہیں۔ کہ ہم میں سے ہی ایک لڑکا ہے۔ لیکن نام کا ان پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ رونے لگتے ہیں۔

یہی حال ایسے لوگوں کا ہوتا ہے۔ ان پر بعض باتیں ایسا اثر کرتی ہیں کہ وہ حقیقت کو بھول جاتے ہیں۔ اور یہ بات دنیا کے کاموں میں اس کثرت کے ساتھ پھیلی ہوئی ہے کہ مجھے مثالوں کے ذریعہ اسے واضح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر یہ ایک وسیع مضمون ہے۔ اگر میں اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تو جو بات آج بیان کر رہا ہوں وہ رہ جائے گی۔ بات یہ ہے کہ لوگ جو نام اختیار کرتے ہیں باوجود اس کے کہ اس کی خصوصیات ان میں نہ پائی جائیں اس کا ان پر اثر ہوتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ اس کی خصوصیات ان میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کسی کو بادشاہ بادشاہ کہنے لگ جاؤ۔ کچھ عرصہ میں اس کی چال رفتار اور گفتار میں زمین آسمان کا فرق پڑ جائے گا۔

نوکر اور ملازم کا لفظ ایسا ہے کہ اپنے اندر کچھ خصوصیات رکھتا ہے۔ بعض ایسے بھی الفاظ ہوتے ہیں جن کی خصوصیات کم ظاہر ہوتی ہیں اور انکی خصوصیات سے کم لوگ واقف ہوتے ہیں۔ لیکن نوکر کا لفظ چونکہ عام ہے۔ لوگ خود نوکر رکھتے ہیں۔ اور نوکر رہتے ہیں۔ دوسروں کو نوکر ہوتا دیکھتے ہیں۔ نوکروں سے ملتے ہیں۔ گفتگو کرتے ہیں اس لئے اس کی خصوصیات سے سارے لوگ واقف ہیں۔ اور جب یہی لفظ ہمارے ہاں کام کرنے والے اپنے متعلق سنتے ہیں۔ تو یہ بات ہی بھول جاتے ہیں کہ وہ قادیان کس غرض کے لئے آئے۔ اور ان کا کام اور مقصد کیا ہے۔ نوکر' نوکر اور ملازم' ملازم کا لفظ آہستہ آہستہ ان کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ اور وہ بھول جاتے ہیں۔ کہ وہ کیوں یہاں آئے۔

یہاں کام کرنے والوں میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ملازمت کی غرض سے یہاں آیا ہو۔ اور ان میں سے کئی ایسے ہیں۔ کہ اگر باہر کام کرتے۔ تو انہیں بہت زیادہ تنخواہ ملتی۔ اور اچھی ملازمت حاصل کر لیتے۔ مگر اس لفظ نے ان کی عقل پر پردہ ڈال دیا اور وہ اپنے آپ کو ملازم کی حیثیت سے

سمجھنے لگ گئے۔

ان حالات کے پیدا ہونے کی وجہ سے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ انجمن اور نظارت کے ماتحت جتنے کام کرنے والے ہیں۔ انہیں آئندہ ملازم نہ کہا جائے۔ بلکہ کارکن کہا جائے۔ "کارکن" کے لفظ میں تنخواہ کا خیال ہی نہیں آتا۔ اور ہمارے ہاں بہت سے کام ایسے ہیں جو بغیر تنخواہ کے کرائے جاتے ہیں۔ اور اگر کچھ دیا بھی جاتا ہے۔ تو وہ بدلہ کے طور پر نہیں ہوتا۔ بلکہ محض گذارہ کے طور پر ہوتا ہے۔ ورنہ اگر نوکری کا معاملہ ہو تو پھر ماننا پڑے گا۔ کہ انہیں بہت کم تنخواہ ملتی ہے اور زیادہ تنخواہ کا مطالبہ کرنے کا انہیں حق ہے۔ لیکن اگر نوکر کا لفظ ہی نہ رہے۔ تو ملازمت کے حقوق کا سوال ہی نہیں اٹھے گا۔ کیونکہ یہ خدا کا کام ہے۔ اور اس کے کرنے پر جس کو جو کچھ بھی ملتا ہے۔ اس کا نام تنخواہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ انعام ہے۔ اور بہت بڑا انعام ہے۔ کیونکہ خداتعالیٰ نے اسے بدلا تو پہلے ہی دیا ہوا ہے جو کچھ دیتا ہے وہ زائد انعام کے طور پر دیتا ہے۔ اس طرح بالکل نقشہ ہی بدل جاتا ہے۔ ایک صورت میں تو یہ نقشہ ہوتا ہے کہ تنخواہیں کم ہیں اور کام زیادہ۔ مگر دوسری صورت میں تنخواہ کا سوال ہی نہیں رہتا۔ جو کچھ کوئی کرتا ہے خدا کے لئے کرتا ہے۔ اس لئے میں نے حکم دیا ہے کہ آئندہ کے لئے ملازم کا لفظ ہی اڑا دیا جائے اور کام کرنے والوں کو کارکن کہا جائے۔

لیکن میرے پاس ایک شکایت پہنچی ہے۔ اور جائز شکایت ہے۔ کہ جو لوگ ریزرو (Reserve) ہیں۔ اور یہاں رہتے ہیں۔ ان کو ایک اعلان میں غیر کارکن کہا گیا ہے۔ اس طرح وہ غرض پھر فوت ہو جائے گی۔ جس کے لئے میں نے کارکن کا لفظ تجویز کیا ہے۔ کیونکہ جب ایسے لوگوں کو غیر کارکن کہا جائے گا۔ تو وہ اپنے آپ کو بے کار سمجھ لیں گے۔ اور کام کرنے کے ناقابل ہو جائیں گے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ بعض ایسے نام ہوتے ہیں۔ جن کا الٹ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً مجاہد کا لفظ ہے۔ مجاہد عربی میں اس کو کہتے ہیں جو دین کی خدمت میں اپنی جان تک لگا دے۔ مگر دوسروں کو غیر مجاہد نہیں کہا جا سکتا۔ ایک شخص جو دینی جنگ پر گیا ہے۔ مجاہد ہے۔ لیکن ایک کمزور جو جنگ پر نہیں جا سکا۔ غیر مجاہد نہیں ہوگا۔ اور یہ لفظ اس کے متعلق استعمال نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس سے اس کے ایمان پر اثر پڑتا ہے۔ پس جس طرح مجاہد کے لفظ کا الٹ غیر مجاہد ان لوگوں کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ جو جہاد میں شامل نہ ہوں۔ اسی طرح کارکن کے لفظ کا الٹ غیر کارکن نہیں استعمال ہو سکتا۔ کارکن سے مراد صرف یہی ہے کہ وہ لوگ جو کام پر لگے ہوئے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو منتظر ہیں کہ انہیں کام پر لگایا جائے۔ مگر ابھی لگائے نہیں گئے۔ غیر کارکن کا لفظ سستی اور غفلت پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس کے استعمال کا نتیجہ بھی اچھا نہیں نکل سکتا۔ اس لئے یہ استعمال نہیں ہونا چاہیئے۔ کارکن اصطلاح ہے۔ جو کام پر لگے

ہوئے لوگوں کے لئے استعمال کی جائے گی۔

پس ایک تجویز یہ ہے کہ "ملازم" یا "نوکر" کا لفظ اڑا دیا جائے۔ کیونکہ دین کی خدمت کرنے والے نوکر نہیں کہلا سکتے۔ اور جو خدمت کرتے ہیں وہ بطور ملازم اور نوکر نہ رہیں بلکہ بطور کارکن رہیں۔ ہاں یہ فرق ہونا چاہیئے اور یہ ضروری ہے کہ اگر ہم اس اصطلاح کو صحیح طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں تو اگر کوئی غیر احمدی یا ہندو یا سکھ یا عیسائی ملازم ہے تو اسے نوکر ہی کہا جائے۔ وہ نوکر ہوگا۔ لیکن اگر کوئی احمدی کام کرتا ہے خواہ اس کا کام کتنا ہی چھوٹا ہے تو بھی اس کا چونکہ یہ فرض ہے۔ اس لئے وہ ملازم نہیں۔ بلکہ کارکن ہوگا۔ یہ تجویز میں نے اس لئے کی ہے۔ کہ اسماء کے فرق کی وجہ سے حقیقت میں بھی بہت فرق پڑ جاتا ہے۔ تم ایک لڑکے کو شریر شریر کہتے رہو۔ اگر وہ شریر نہیں ہوگا تو شریر ہو جائے گا اسی طرح اگر کسی کو نیک نیک کہو۔ تو وہ کئی شرارتیں چھوڑ دے گا اور نیک ہو جائے گا۔ اسی لئے شریعت نے رکھا ہے۔ کہ کسی کو گالی نہ دو۔ کیونکہ جس قسم کی گالی دے جائے۔ اسی قسم کی اس میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ میں اور باتیں بھی سوچ رہا ہوں۔ بعض دوستوں نے مشورہ دیا ہے۔ کہ تنخواہ کو اڑا دیا جائے اور ضروریات کے لئے کچھ دیا جائے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ یہ طریق مفید ہو سکتا ہے۔ مگر تنخواہ اڑانے سے بعض ایسے فتنے پیدا ہونے کا احتمال ہے کہ جن کا ازالہ ہم فی الحال نہیں کر سکتے۔ اور اس وقت اس تجویز کے خطرات فوائد کی نسبت زیادہ ہیں۔ مگر میں اس پر بھی غور کر رہا ہوں۔ اور اور تجویزیں بھی میرے زیر غور ہیں۔

اور ایک بات بھی ہے۔ جو دنیا میں فتنہ فساد کی بہت بڑی موجب ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کسی قوم سے قناعت مٹتی ہے۔ تو پھر اس کی حالت گرتی چلی جاتی ہے۔ اور بہت سا دخل ان جھگڑوں میں جو تنخواہوں۔ معاوضوں۔ درجوں اور ترقیات کے متعلق ہوتے ہیں۔ اسی عدم قناعت کا ہوتا ہے۔ ایسا شخص جو عدم قناعت کی وجہ سے تنخواہ کے متعلق جھگڑا کرتا ہے۔ اس کو اگر ایک لاکھ تنخواہ بھی دے دو تو پھر بھی اس کی حالت درست نہ ہوگی۔ کیا ہم دنیا میں نہیں دیکھتے کہ جن کے پاس لاکھوں اور کروڑوں روپے ہوتے ہیں وہ بھی اور جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اور انہیں ہر وقت یہی خیال ہوتا ہے کہ اور کمائیں ان کے مقابلہ میں ہم دنیا میں ایسے لوگ بھی دیکھتے ہیں۔ جو غریب اور کنگال ہوتے ہیں۔ دس بیس روپے جو ان کی آمدنی ہوتی ہے اسی کو استعمال کرتے۔ اور جو کچھ ملتا ہے صبر شکر سے کھا کر آرام کی نیند سو رہتے ہیں۔ پھر یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ روپیہ کی زیادتی اور زیادہ جمع کرنے کی خواہش پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ ہم کئی کروڑ پتی ایسے بھی دیکھتے ہیں جنہیں یہ خواہش نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے کئی ایسے غریبوں کو دیکھتے ہیں۔ جنہیں ہر وقت یہی دھن ہوتی ہے۔ کہ روپیہ

جمع کریں۔ پس دنیا میں ہمیں جو کچھ نظر آتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ کئی امیر روپیہ جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اور کئی غریب صبرو شکر سے گذارہ کرتے ہیں۔ پھر کئی غریب دولت اکٹھا کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اور کئی امیر اطمینان کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل چیزوں کی قناعت ہے۔ جس کے دل میں قناعت ہو چاہے وہ امیر ہو یا غریب وہ اپنی حالت پر مطمئن ہوگا۔ اور جس کے دل میں یہ نہ ہو۔ وہ خواہ امیر ہو یا غریب اسے اطمینان حاصل نہ ہوگا۔ اور کبھی حاصل نہ ہوگا۔ اگر دنیا کی ساری دولت اور مال بھی اسے حاصل ہو جائے۔ تو پھر بھی وہ ستاروں کی طرف دیکھے گا۔ کہ یہ کیسے خوبصورت ہیں۔ یہ بھی مجھے حاصل ہو جائیں۔ ایسے شخص کو اگر ساری دنیا کا سونا چاندی' لعل و جواہرات دے دئے جائیں۔ دنیا کی تمام نعمتیں اسے دے دی جائیں تمام لوگوں سے کھانے پینے کی اشیاء چھین کر اس کے سپرد کر دی جائیں۔ ہر قسم کے کپڑے سب سے لیکر اس کے حوالہ کر دئے جائیں۔ تو بھی وہ کبھی پاتال کی طرف دیکھے گا اور کبھی آسمان کی طرف۔ اور کہے گا نہ معلوم زمین میں کیا کیا خزانے اور کیا کیا چیزیں مدفون ہیں وہ مجھے مل جانی چاہئیں۔ اور نہ معلوم آسمان پر کیا کیا چیزیں ہیں۔ اور یہ چمکنے والے ستارے کس قدر قیمتی ہیں۔ یہ بھی میرے پاس ہونے چاہئیں۔ پھر اگر زمین کے سارے خزانے اور ساری قیمتی چیزیں بھی نکال کر اس کے حوالہ کر دی جائیں۔ اور آسمان کے ستارے بھی اس کو مل جائیں۔ تو بھی اسے صبر نہیں آئے گا۔ اور وہ اور کے لئے خواہش رکھے گا۔ مگر جس کے دل میں قناعت ہوگی۔ اس کی یہ حالت ہوگی کہ وہ فاقہ سے رات کو سوئے گا۔ اور یہ کہتے ہوئے خدا کا شکر ادا کرے گا۔ کہ مجھے صبح تو کھانے کو روٹی مل گئی تھی۔ معلوم نہیں کتنوں کو صبح کی روٹی بھی میسر نہ آئی ہوگی۔ یا اگر دیندار ہوگا تو کہے گا الحمدللہ میں بھوکا تو سویا مگر کسی سے سوال نہیں کیا۔ اور خواہ میری جان بھی بھوک سے نکل جائے میں کسی امیر سے سوال نہیں کروں گا۔ اور اس بات پر خوش ہونگا۔ کہ میں صرف اللہ کا ہی بندہ ہوں۔ بندوں کا بندہ نہیں بنا۔

تو اصل چیز دل کی قناعت ہوتی ہے۔ اور قوم کی ترقی اور سربلندی کے لئے اسی کا پیدا کرنا ضروری ہے۔ جس قوم کے دل سے یہ نکل گئی۔ وہ قوم تباہ ہوگئی۔ اور تباہ ہو جائے گی۔ دیکھو ہمارے ملک کے زمیندار غریبی اور تنگ دستی میں جس اطمینان سے زندگی گذارتے ہیں۔ وہ یورپ کے بڑے بڑے مالداروں کو حاصل نہیں ہے۔ حالانکہ ہمارے ملک کے لوگوں کی یہ حالت ہے۔ کہ یہاں کے نمبرداران کپڑوں کو جو ولایت کا چوہڑا بھی ردی کر کے پھینک دے۔ خوشی سے خرید کر پہنتے ہیں۔ مگر ان لوگوں میں چونکہ قناعت نہیں۔ اور ان میں ہے اس لئے ان کی زندگی ان کے مقابلہ میں آرام سے گذرتی ہے۔ یہ لوگ جوار کی روٹی کھائیں زمین پر سوئیں۔ اور پتھر کا تکیہ لگائیں۔ تو بھی کہتے

ہیں۔ اللہ کا بڑا شکر ہے۔ مگر وہاں کا مال دار بھی یہی کہے گا کہ ہم بھوکے مر گئے۔ فاقہ زدہ ہو گئے۔ اور اس فاقہ کے یہ معنی ہوں گے کہ فلاں امیر نے آج جو کھانا کھایا ہے وہ اس نے نہیں کھایا۔ وہ کہے گا ہم چیتھڑوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ چیتھڑے یہاں کے لاکر بیچے جائیں تو یہاں کے کئی امیر انہیں خرید لیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں سے قناعت اڑ گئی ہے۔ انہیں دولت کا نشہ ایسا چڑھ گیا ہے کہ جسے پورا کرنے کے لئے انہیں زیادہ سے زیادہ کی خواہش لگی رہتی ہے۔ ان کی ایسی ہی حالت ہے۔ جیسے ایک شرابی کا جب تھوڑی دیر بعد نشہ ٹوٹ جاتا ہے۔ تو وہ بے چین ہو کر اور مانگتا ہے۔ لیکن جو پیتا ہی نہیں وہ آرام سے لیٹا رہتا ہے۔ ہر نشہ والا حرص کی طرف جاتا ہے۔ اور اس کا پیٹ کبھی بھرتا ہی نہیں۔ کیونکہ نشہ کی کوئی حد ہی نہیں۔ کہ کہا جائے فلاں حد تک جا کر نشہ والے کو صبر حاصل ہو جائے گا۔ تو قناعت کے ٹوٹنے سے تو قومی عمارت کی ساری دیواریں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور اسی سے سب فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں۔ بعض غلطیوں کی وجہ سے قناعت ٹوٹی ہے۔ اگر قناعت نہ ٹوٹتی تو خواہ یہ صورت بھی ہو جاتی کہ کپڑے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ستر ڈھانکنے کے لئے اور ایک کھیل منہ میں ڈالنے کے لئے مل سکتی تو بھی یہ حالت نہ ہوتی۔ جو اب ہوئی ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم اپنی غفلتوں اور سستیوں میں پڑ کر یہ بات بھول جاتے ہیں کہ ہمارے آقا، راہ نما، رسول خدا جس کی جوتیاں اٹھانا بھی ہمارے لئے بہت ہی بڑے فخر کی بات ہے۔ اس کی خوراک بعض اوقات اتنی بھی نہیں ہوتی تھی کہ آپؐ کا پیٹ بھر سکے۔ اور یہ بات ہمارے ذہن سے نکل جاتی ہے۔ کہ تیرہ سو سال گذرے جب ہمارا آقا پیٹ پر پتھر باندھے کام کے لئے چلا جا رہا تھا۔ اس بات کو بھول جاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ خدا نے محض اپنے فضل سے ہمیں وہ سامان عطا کر دئے ہیں۔ جن سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ایک مومن کو تو اگر یہ خوف نہ ہو کہ وہ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کی بے قدری کرنے والا ٹھہرے گا۔ تو وہ کہہ سکتا ہے۔ کہ کیا ہی اچھا ہوتا۔ اگر وہی حالت ہوتی۔ جو رسول کریمؐ کے وقت میں تھی۔ مگر اس کا دل ڈرتا ہے۔ کہ خدا نے جو نعمت دی ہے۔ اسے وہ کیونکر رد کرے۔

تو قناعت کے نہ ہونے سے ایسی حالت پیدا ہو گئی ہے اور اس کی وجہ سے ایک یہ بات پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ سوال کی عادت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اس عادت کے مٹانے سے قناعت پیدا ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مانگنے والے کو دیکھ کر دوسروں کی نظر سے مانگنے کی برائی اٹھ جاتی ہے۔ اور وہ بھی سوال کرنے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ سوال کرنا ہماری شریعت نے بہت برا قرار دیا ہے۔ اور حضرت عمرؓ تو مانگنے والوں کی تھیلیاں چھین کر پھینک دیتے تھے۔ سوال کرنا ایک بہت بری بات ہے۔ لیکن ہماری جماعت کے کئی لوگوں نے اس کو محسوس نہیں کیا۔ اور بہت ہیں جو اسے معمول بات سمجھتے ہیں۔

ایک صحابی کے متعلق آتا ہے۔ اس نے رسول کریمؐ سے کچھ مانگا۔ آپؐ نے دیا۔ اس نے پھر مانگا۔ آپؐ نے دیا۔ پھر مانگا۔ آپؐ نے دیا۔ اور اس پر وہ مطمئن ہو گیا۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا مال تو تم نے لے لیا ہے۔ اب میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں۔ جو اس مال سے بھی قیمتی ہے۔ اور وہ یہ کہ سوال کرنا بہت برا ہے۔ یہ نصیحت اس نے سن لی اور چلا گیا۔ دیکھو ان لوگوں کے ایمان کیسے مضبوط تھے۔ ایک موقع پر عین اس وقت جبکہ لڑائی کی حالت تھی۔ اسی صحابی کے ہاتھ سے کوڑا گر گیا۔ اور وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ ایک دوسرا شخص اس کوڑا پکڑانے لگا۔ تو اس نے کہا خدا کی قسم مجھے نہ دینا میں خود نیچے اتر کر اٹھاؤں گا۔ میرا گھوڑے پر خاموش بیٹھے رہنا بھی سوال کرنے کی ایک صورت ہے۔ اور میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے وعدہ کیا ہوا ہے کہ کبھی سوال نہ کروں گا۔ چنانچہ اس نے خود اتر کر اٹھایا۔ تو قناعت سوال کرنے سے ٹوٹتی ہے۔ اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ میں اس کے متعلق اور باتیں بھی بیان کرنا چاہتا تھا۔ لیکن چونکہ وقت زیادہ ہو گیا ہے اس لئے آج اسی پر ختم کرتا ہوں۔

(الفضل ۲۴؍ نومبر ۱۹۲۱ء)

۱؎ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ حنین